تلخیص و ترجمہ

مقدمہ مشکلات القرآن

از

مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ

محقق العصر علامہ محمد یوسف بنوری قدس اللہ سرہ کے
مقدمہ "مشکلات القرآن" کا اردو ترجمہ و تلخیص

(ماہنامہ دار العلوم دیوبند)
اپریل تا جون 1957ء

اصل تصنیف:
امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ

پیش کش: شوکت علی

ترجمہ مقدمہ مشکلات القرآن

(مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری استاذ دار العلوم)

"زیر نظر مضمون میں بعض جانی پہچانی شخصیتوں کی خدمتِ قرآنی پر کچھ تنقید کی گئی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس تنقید کا تعلق صحیح مسلک، قرآنی خدمت اور علمی مذاق سے ہے نہ کہ کسی گروہی جمعیت اور طبقہ وارانہ ذہنیت سے، اور کسی علمی حقیقت کو پالینے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ تنقید، تفصیل اور تشریح و تذکیر کی جو بھی ادیاں سامنے آئیں، حقیقت تک پہونچنے کا جذبہ اُن سب کو طے کرنے میں کوتاہی نہ کرے، اس طرح کی علمی تحقیقات و تنقید کا دروازہ اگر بند کردیا جائے تو علم اپنی جگہ پر جامد اور حکمت و دانش کا سارا سرمایہ ایک جگہ پڑے پڑے بوسیدہ اور بے جان ہو کر رہ جائیگا، اور ظاہر ہے کہ یہ علم و حکمت کے ساتھ بڑی بے انصافی ہوگی۔" (قیصر)

حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں جو اجتہادی دستگاہ اور دسترس تھی، یہی وجہ ہے کہ عموماً موصوف کو "رئیس المحدثین" یا "خاتم المحدثین" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو مرحوم کے علوم اور دقتِ نظر کے اندازہ کا شناسا ہی موقع ملا ہے یا جنہوں نے آپ کی تصانیف کا مطالعہ کیا وہ جانتے ہیں کہ علامہ مرحوم کے علوم میں بڑی عمومیت، جامعیت اور گہرائی ہے۔ کسی ایک فن میں آپ کا تبحر محدود نہیں بلکہ ہر جانب اور ہر جہت میں آپ کی تحقیقات و معلومات کا بحرِ ذخار موجزن نظر آتا ہے۔ خصوصاً آخری دور میں قرآن حکیم سے آپ کا غیر معمولی شغف، تفسیر اور متعلقہ علوم میں انہماک بڑا ہی حیرت انگیز اور امت مرحومہ کے لئے بے حد مفید تھا۔

آپ کا معمول تھا کہ "قرآن مجید" کی تلاوت کرتے اور اس کے معارف و علوم، دقائق و نکات میں دیر تک گم رہتے، بسا اوقات تو قرآن کریم کے ایک صفحہ سے بھی زائد کا مطالعہ نہیں کر سکتے تھے۔ دورانِ مطالعہ میں جو خاص اور الہامی مضامین قلبِ مبارک پر وارد ہوتے تھے، اُن کو قلمبند کر لیا جاتا، یا آیات متعلقہ کی صحیح اور استوار تفسیر، یا کوئی بلند پایہ تحقیق متداول اور غیر متداول تفاسیر کے ذخیرہ میں نظر آتی تو اس کی نشاندہی فرماتے۔ اس تعمق اور غور و فکر کے ساتھ تمام قرآنِ حکیم کا مطالعہ کیا اور آپکے افادات

ماثر علوم میں ایک قیمتی ذخیرے کا اضافہ ہوگیا، وفات کے بعد آپ کے یہ افادات، طویل حاشیہ کے ساتھ "مجلس علمی" سے شائع ہوئے ہیں اور اہلِ علم کے طبقہ میں غیر معمولی طور پر مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

آپ کے تلامذہ کے وسیع حلقے میں یوں تو ہر شخص ہی کامل اور فاضل نظر آئے گا تاہم بعض افراد ایسے بھی ہیں جن کو اپنی ذکاوت و ذہانت کی وجہ سے علامہ مرحوم کے علوم و کمالات سے استفادہ کرنے کا زیادہ موقع ملا ہے، جن میں مولٰنا محمد یوسف صاحب بنوری، صداثت سن کے باوجود تبحر علمی اور وسیع المعلومات ہونے میں سینکڑوں باصلاحیت اور ذی علم اشخاص و رجال میں ایک امتیاز کے مالک ہیں۔ مولٰنا موصوف نے "مشکلات القرآن" کے آغاز میں ایک طویل مقدمہ سپرد قلم کیا ہے، جسکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے مولٰنائے محترم کو علوم قرآنی میں خاص تفوق عطا فرمایا ہے بلامبالغہ آپ کے اس مقدمہ کا مطالعہ، ہزارہا صفحات اور سینکڑوں کتابوں کے تجسس و تفحص سے بے نیاز کر دے گا،

راقم الحروف کو دارالعلوم میں قرآن حکیم کے ترجمہ کی خدمت تفویض ہے اسی ضرورت کے لئے اور کتابوں کے ساتھ مشکلات القرآن کا مطالعہ کیا گیا تو ابتدائی مقدمہ کے متعلق بے اختیار یہ احساس پیدا ہوا کہ ان معلومات کو اگر اردو میں منتقل کیا جائے تو عام اردو داں طبقہ کو بھی ان قیمتی و زریں معلومات کے استفادہ کا موقع مل سکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مولٰنا محمد یوسف صاحب بنوری، اشخاص و رجال پر تنقید کرنے میں زیادہ مستعد واقع ہوئے ہیں اگرچہ وہ تنقید اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہوتی ہے، تاہم دور حاضر کے بعض مفسرین پر ان کی گرفت و تعاقب کا لب و لہجہ شدید اور کرخت ہے، جس کو اردو میں منتقل کر کے خواہ مخواہ بعض الجھے ہوئے مباحث کا دروازہ کھول دینا ہے، اس لئے خاکسار نے مسلسل ترجمہ کے بجائے جس میں دیانتاً تمام ہی مباحث کا ترجمہ ضروری ہوتا، ضروری مضامین کا مکمل ترجمہ اور غیر ضروری مباحث کی تلخیص، اور اشخاص و رجال پر تنقید سے صرف نظر کی روش کو مناسب سمجھتے ہوئے بالاقساط اس مقدمہ کی ترجمانی کا ارادہ کیا ہے امید یہی ہے کہ انشاء اللہ اردو داں طبقہ کے علاوہ اہلِ علم اصحاب کے لئے بھی مفید ہوگا اور علمی حلقوں میں دلچسپی کے ساتھ اس کے مطالعہ کی کوشش کی جائیگی۔ والامر بید اللہ

علمائے امت کی قرآنی خدمات!

مولٰنا بنوری نے قرآن کی عظمت و جلالت پر اپنے مخصوص انداز میں سیر حاصل تبصرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین معیار ہے، معارف علوم اور حقائق و اسرار کا بحر مواج ہے، اس میں احکام ہیں، نفوس کی تربیت کے طریقے مندرج ہیں، تہذیب اخلاق کی راہیں متعین کی گئی ہیں اور قلوب و ارواح کے تزکیہ کے علاج و معالجے بتلائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ نوادر و بدائع خصائص و مزایا کی یہ کثرت ہے کہ انسان نہ ان کو شمار کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کی تعداد بیان کی جا سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امتِ مرحومہ کے اساطین علوم نے ان درہائے گرانمایہ کی نقاب کشائی میں عمریں صرف کر دیں اور اس کے معارف و علوم کو معلوم کرنے کے لئے پوری زندگی اسی مقصد میں لگا دی، اسرار و حقائق کے اس ذخار سمندر میں غواصی کی تو بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کیا، جواہر و لآلی، زمرد و یاقوت کو ترتیب و تنظیم کی حسین و دلآویز لڑی میں پرو دیا۔

اور اس سلسلہ میں ان کی خدمات کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ انسانی عقل ان کے کارناموں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے اور اس دنیاوی زندگی تنگنایہ فرصتوں میں ان کے علمی حوصلوں کی وسعت ذاتی حیرت خیز تعجب انگیز ہے

چنانچہ شیخ قاسم بن قطلوبغا نے "تاج التراجم" میں لکھا ہے کہ شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمن البخاری الحنفی نے ۵۴۶ھ جو کہ "زاہد العلاء" کے معزز خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں اور جن کو صاحب ہدایہ کی اساتذہ کی فہرست میں شامل ہونے کا فخر و امتیاز حاصل ہے، قرآن مجید کی تفسیر لکھی، تو ایک ہزار مجلدات بے تکلف تیار کر ڈالے۔

اور ایسے ہی "کشف الظنون" میں ہے کہ شیخ ابو یوسف عبدالسلام بن محمد القزوینی المتوفی ۴۸۳ھ نے "حدائق ذات بہجۃ" کے نام سے تفسیر لکھی تو پانچسو یا تین سو جلدیں تیار ہوئیں۔ اور ایسے ہی تاج الدین سبکی نے "طبقات" میں لکھا ہے کہ امام محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ نے قرآنی علوم کی تالیف کی جانب توجہ کی، تو ان کی تحقیقات تیس ہزار صفحات میں بھی نہ سما سکیں۔

اور اسی طرح قاضی ابوبکر ابن العربی المتوفی ۴۶۸ھ نے تفسیر شروع کی تو اسی ہزار اوراق میں ان کی موشگافیاں پھیلتی چلی گئیں۔ علامہ اہل مغرب، شیخ اکبر الطائی الاندلسی المتوفی ۶۳۸ھ صاحب فتوحات المکیہ نے صرف سورۂ کہف تک خامہ فرسائی کی لیکن اس مختصر سی قلمکاری کے نتیجے میں بھی ساٹھ ضخیم جلدیں آج امت کے ہاتھوں میں ہیں۔ ابن نقیب المتوفی ۶۹۸ھ نے الکتاب المبین کے اسرار و رموز پر سے پردہ ہٹانا چاہا تو اسی جلدیں تیار ہو گئیں۔ لیکن تکمیل کی تمنا دنیا سے ساتھ لے گئے۔

ابوالقاسم اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ اور شیخ شمس الدین ابوالمظفر المتوفی ۶۵۴ھ کی سعی و کوشش تیس تیس جلدوں میں سمیٹی جا سکیں۔ شیخ مفضل بن سلمہ الحنفی جو تیسری صدی ہجری کے ایک محیر العقول شخصیت ہیں، ان کی تفسیر "ضیاء القلوب" بیس اجزاء سے بھی آگے نکلی۔ ابن ندیم نے ابوبکر محمد بن الحسن النقاش کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی تفسیر "کبیر" بارہ ہزار اوراق میں پھیلی ہوئی ہے۔

بہرحال اس مختصر سی فہرست سے معلوم کیا جا سکتا ہے، کہ علماء امت نے تفسیری خدمات میں کس شغف و انہماک سے کام لیا ہے اور کیا کیا خون جگر پی کر، علوم و معارف کے دُرہائے نایاب کو بطون اوراق میں ودیعت رکھا ہے۔ لیکن کل اناء یترشح بما فیہ کے قاعدہ کے مطابق ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق تصنیف لکھی، بلکہ لکھنے والوں کا مذاق اور ان کا رنگ طبیعت، تصانیف میں نمایاں ہے۔ چنانچہ محدثین نے تمام ہی قرآن کو حدیث کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی اور وہ اس سلسلہ میں کافی کامیاب بھی ہوئے روایات و احادیث کے اہتمام میں ابن جریرؒ اور سیوطیؒ نمایاں شخصیتیں ہیں۔ فقہاء نے احکام کے جزئیات کو اصول پر منطبق کرنے کی جدوجہد کی، تو اس جزو میں قرطبیؒ کی موشگافیاں سب پر فائق نظر آئیں۔ ابو حیان اندلسی نے تفسیر لکھی تو اپنے نحوی مذاق و رجحان کے پیش نظر، وجوہ اعراب طرق ترکیب، ترکیب کے اسلوب پر ایسی سیر حاصل بحث کی، کہ قرآن نحوی مسائل کا عجیب و غریب مجموعہ نظر آیا، زمخشری نے "کشاف" میں محاسن کا بیان، مقطعات و مطالع کا حسن، ایجاز و اطناب کی وجوہات، فصاحت و بلاغت کے دل آویز نکات پر پورے قرآن کو ڈھال دیا، متکلمین نے عقائد و کلام کے وہ معرکۃ الآراء مباحث ذکر کئے کہ قرآن علم کلام کی جامع تصنیف دکھائی دیتا ہے۔ امام رازی اس گوشہ میں سب پر مقدم اور ہر ایک پر فائق ہیں۔ قیاس کی ترکیب، رسوم و حدود کے خشک اور غیر دلچسپ جھگڑے مناطقہ کی مرغوب غذا ہے تو بو علی سینا نے سورۂ اخلاص کی تفسیر انہیں لاطائل مباحث میں الجھا دی طبعیات و فلکیات و عنصریات کے اجزاء پر گہری نظر ایک فلسفی ہی کی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ طنطاوی نے اپنے جواہر میں انہیں مضامین کو اس کثرت سے سمیٹا کہ انکی

تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے قرآن صرف اسرارِ کونیہ، بدائع عنصریہ اور غرائب طبعیہ سے بحث کرتا ہے، اور اس کے سوا اس کا کوئی موضوع نہیں۔

بہرحال یہ جو کچھ ہوتا رہا اور جو کچھ ہوتا رہے گا قطعاً غیر متوقع نہیں بلکہ وہی سامنے آرہا ہے جو قادرِ مطلق کی جانب سے مقدر ہوچکا تھا یعنی اس کا اظہار کہ "قرآن مجید کے عجائب ختم نہیں ہوسکتے۔ انہیں مختلف صورتوں اور مظاہر میں پیش کیا جارہا ہے" ہمارے شیخ امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، فرماتے تھے کہ "قرآنِ کریم کی تفاسیر کی تعداد دو لاکھ تک پہونچ چکی ہے"۔ لیکن اس کے باوجود کہ علمائے اُمت نے تفسیری خدمات میں زبردست حصہ لیا اور اس سلسلہ میں ان کی کوششوں کے دفاتر ہمارے سامنے موجود ہیں، اور امام العصر کی تحقیق کے مطابق تفسیری ذخیرہ کی تعداد دو لاکھ تک پہونچ چکی، مگر پھر بھی قرآن کریم کے حق کے ادا کئے جانے کا دعویٰ ہرگز صحیح نہ ہوگا، سمندر اگر سیاہی بن جائیں تو بھی کلمات ربی کا احصاء ممکن نہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ:۔

قل لوکان البحر مدادًا	"آپ فرمادیں اگر سمندر میرے پروردگار
لکلمات ربی لنفد البحر	کی باتوں کے لئے روشنائی ہوجائیں تو
قبل ان تنفد کلمات	میرے پروردگار کی باتوں کے ختم ہونے سے
ربی ولو جئنا بمثلہ	پہلے سمند ختم ہوجاویں گے اگرچہ اتنے ہی
مددًا۔	سمندر امداد کے لئے ہم اور لائیں"

وقال سبحانہ وتعالیٰ:۔

ولو ان ما فی الارض من	"اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوجاویں
شجرۃ اقلام والبحر	اور تمام دریا روشنائی اور اس کے بعد
یمدہ من بعدہ سبعۃ	سات دریا اور ہوں تو بھی اللہ کی باتیں
ابحر ما نفدت کلمات	ختم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت
اللہ ان اللہ عزیز حکیم۔	والے ہیں۔"

ابن ابی الدنیا نے سچ کہا ہے کہ:۔

"علوم قرآن ایک بحر ناپید اکنار ہے، ذخار دریا ہے جس کے عمق و گہرائی کا علم نہیں۔"

تفسیر کا اہم جزء!

اساطین علم و فضل کی ان تمام خدمات کو بنظر استحسان دیکھنے کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ تفسیر قرآن میں سب سے مقدم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک، احوال، کردار و افعال سے واقفیت بے حد ضروری ہے، اس لئے کہ آپ کی مقدس زندگی قرآن کی ایک مجسم تفسیر ہے، اسی حقیقت کی طرف حضرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"کان خلقہ القرآن"

امام العصر فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"اگر آدمی صحیح بصیرت کے ساتھ ذخیرہ احادیث میں غور و فکر کرلے تو اسکو معلوم ہوگا کہ اکثر و بیشتر احادیث گویا کہ قرآن کے اجمال کا بیان اور اس کے اشارات کی توضیحات ہیں بلکہ کثرت سے ایسی احادیث ہیں جن میں تعبیرات قرآنی کی جانب لطیف اشارے ملتے ہیں، فرماتے تھے کہ خاص اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کے لئے سیوطی کی "درمنثور" بے حد مفید ہے۔"

امام العصر کے اس ارشاد کی تائید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولہ سے بھی حاصل ہوتی ہے جس کو سیوطیؒ نے اتقان میں نقل کیا ہے، امام فرماتے تھے کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمادیا، وہ وہی ہے جو آپ نے قرآن سے سمجھا ہے۔"

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:۔

"قرآن مجید کی مراد اُس وقت تک معلوم نہیں کی جاسکتی
جب تک احادیث کی جانب مراجعت نہ کی جائے
اور اسی طرح احادیث کی منشا سمجھ میں نہیں آسکتی،
تاوقتیکہ فقہ کی طرف رجوع نہ ہو۔"

حافظ ابو عمر ابن عبد البر القرطبیؒ نے کتاب التقصی میں اسی کے قریب قریب فرمایا ہے جیسا کہ ان کی عبارت کو الشیخ العارف عبد الرحمٰن الثعالبی الجزائری المتوفی ۸۷۵ھ نے نقل کیا ہے،
اس کے بعد سب سے زیادہ ضروری امر حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات زندگی پر مطلع ہونا ہے، کیونکہ قرآن کے اول مخاطب وہی ہیں اور امت میں سب سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انہیں کو کیا گیا۔ متشابہات و مشکلات کے متعلق پوچھ، کچھ کرنے والے وہی تھے اور وہی ہیں جنہوں نے قرآن کے غرائب و غوامض پر سے پردہ اُٹھایا۔ اِسی لئے فقیہ الامت حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ :-

"یہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت میں بڑے
پاک باطن اور گہرے علم والے ہیں تکلفات سے دُور
اور تصنع سے بڑے بعید، خُداوند تعالیٰ نے اپنے نبیؐ
کی صحبت کے لئے ان کو منتخب فرمایا اور اقامتِ
دین کے لئے ان کو چُن لیا اسلئے ان کی قدر و منزلت کو
پہچانو، ان کا اتباع کرو، ان کی سیرت، ان کی عادت
ان کے اخلاق، ان کا کردار ہر ایک چیز نمونہ و اسوہ ہے
صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں، راہِ ہدایت کے مسافر ہیں۔"

اِس لئے قرآن کا مُطالعہ کرنے کے لئے خلفاء راشدین خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ فقیہ الامت حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کے حالات و سیرت سے واقفیت بہر حال ضروری ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں حضرت علیؓ کی تعریف کرتے تھے اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن عباسؓ کے مقام کے آشنا تھے بلکہ لوگوں کو اُن سے علومِ قرآن حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، ابی ابن کعبؓ زید ابن ثابت، عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اِن سب کا تفسیر قرآن میں بڑا مقام ہے۔

پھر تابعین میں، حسن، مجاہد، سعید ابن جبیر، علقمہ وغیرہ ایسے رجال ہیں کہ ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا بہر حال صحابہ اور ان سے استفادہ کرنے والوں کے علوم پر نظر رکھنا ہوگی۔ شیخ اسلام حافظ ابن تیمیہؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ

"یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے صحابہ کو قرآن کے الفاظ کی طرح ان کے معانی
کی بھی تعلیم دی ہے۔"

بعض آثار ابن تیمیہؒ کی تائید کرتے ہیں مثلاً حضرت عثمان ابن عفان، عبد اللہ ابن مسعود وغیرہ آنحضور سے جب قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تو دس آیات سے زیادہ ہرگز نہ پڑھتے۔ تاوقتیکہ اس پر عمل نہ کریں اور اس کے متعلقہ علوم سے واقفیت حاصل نہ کر لیتے، اِسی وجہ سے یہ حضرات خود کہتے ہیں کہ ہم آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے :-

"تعلمنا القرآن والعلم والعمل جمیعاً"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

"جو شخص سورہ بقرہ و آلِ عمران پڑھ لیتا تھا تو اُس کی وقعت
ہماری نظروں میں بڑھ جاتی تھی۔"

عارف ابن جمرة المحدث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، آپ فرماتے تھے کہ :-

"اگر میں ام القرآن کی تفسیر سے ۷۰ شتر اونٹوں کو
لادنا چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔"

اِن سب بیانات کی تصدیق میں تامل نہ ہونا چاہئے اِس لئے کہ قرآن کو تدبر و تفکر سے حاصل کرنے کی جو تاکید خود قرآن میں موجود ہے اگر اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عمل نہ کرتے تو پھر کون کاربند ہوگا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر میں جب

احادیث و آثار سے قطع نظر کرتے ہوئے، صرف لغت و تاریخ کی بنیادوں پر اس کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی، تو تفسیر بالرائے کی صورت اختیار کرتے ہوئے الحاد و زندقہ کی خشت اول پر عمارت کھڑی ہوگی، دورِ حاضر کے بعض مفسرین نے، احادیث و آثار، سنت و اجماع سے ہٹ کر جو کچھ کہا اور لکھا ہے وہ الحاد و زندقہ کی بڑی مذموم و مکروہ صورت ہے۔ ایسی ملحدانہ تفاسیر پر کچھ تفصیل ہم آگے کرتے ہیں۔

شرائط تفسیر!

تفسیر کے سلسلہ میں اسلام کی اعتمادی شخصیتوں نے بڑے غور و فکر کے بعد بلکہ کامل بالغ النظری سے کام لیتے ہوئے بہت سی شرائط بیان کی ہیں یعنی ایک شخص کو قرآن کی تفسیر کا کب اور کس طرح استحقاق حاصل ہو سکتا ہے اس موضوع پر علماء کے بیانات بڑے طویل اور اُن کی تحریریں بہت تفصیلی ہیں۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ اس موضوع پر بھی روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے:۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:۔

"علماء میں اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ کیا ہر شخص کو تفسیر کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ بعض علماء کی تو یہ رائے ہے کہ تفسیر کا استحقاق قطعاً نہیں، اگرچہ وہ عالم ہو ادیب ہو، دلائل شرعیہ کا جاننے والا ہو، فقہ، نحو، اخبار و آثار پر اس کی نظر ہو۔ بس تفسیر صرف وہی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اور علماء کی دوسری جماعت کا خیال یہ ہے کہ تفسیر کا حق ہر اُس شخص کو حاصل ہے جو اِن پندرہ علوم میں مہارت و حذاقت رکھتا ہو یعنی لغت، نحو، صرف، اشتقاق، معانی، بیان، بدیع، قرأت، اصول دین، اصول فقہ، اسباب نزول، قصص، ناسخ و منسوخ، فقہ، احادیث تفسیر المجمل والمبہم، علم الموہبۃ۔"

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ "یہ علوم مفسر کے لئے بیحد ضروری ہیں، اگر کسی شخص نے ان کے بغیر تفسیر کی تو وہ تفسیر بالرائے ہوگی جس سے شریعت میں روکا گیا ہے، اور ان علوم کے ساتھ جو تفسیر کی جائے گی وہ ممنوع نہ ہوگی۔"

بہرحال تحقیق اس سلسلہ میں یہ ہے کہ صاحب شریعت سے جو تصریحات منقول ہیں اُن میں تو اعتماد انہیں توضیحات پر ہوگا، ورنہ اعتمادی اشخاص و رجال کے علوم سے استفادہ کیا جائے گا۔"

(باقی آئندہ)

دوسری قسط:۔

ترجمہ مقدمہ مُشکلات القرآن

(مولٰنا سید محمد انظر شاہ کشمیری اُستاذ دار العلوم دیوبند)

تفسیر بالرائے!

علماء اُمت کے تفسیر بالرائے کے بارے میں اقوال بجید مختلف ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں کہ:۔

"جس نے قرآن کی اپنی رائے سے تفسیر کی، اگرچہ وہ صحیح ہی ہو تاہم خطا ولغزش ہے"

بے حد اختلاف رائے ہے۔ اور ایسے ہی آپ کا یہ ارشاد کہ

"من تکلم فی القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار"

علماء کے مابین متنازع فیہ احادیث میں سے ہے۔

چنانچہ پہلی حدیث کے بارے میں تو بعض اہلِ علم کو ان کی سند وصحت کے بارے میں شک و تردد ہے۔ یہ لوگ تو اس حدیث کو بعض وجوہات کی بناء پر قابل احتجاج نہیں مانتے اور جن دوسرے علماء نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہے، تو انہوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ:۔

"فقد اخطاء الطریق فسبیلہ ان یرجع فی تفسیر الفاظہ الی اھل اللغۃ و فی معرفۃ ناسخہ و منسوخہ و سبب نزولہ وما یحتاج الی بیانہ الی اخبار الصحابۃ الذین شاھدوا تنزیلہ و ادوا الینا من السنن ما یکون بیانا لکتاب اللہ"

رہی دوسری حدیث، تو اس کے بارے میں انباری کی تشریح یہ ہے کہ:۔

"من قال فی القرآن قولاً یعلم ان الحق غیرہ فلیتبوأ مقعدہ من النار"

ابن نقیب حنفی کہتے ہیں۔ کہ تفسیر بالرائے کی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں" ایک یہ کہ تفسیر ان علوم کے ساتھ کی جائے جن کے ساتھ تفسیر جائز ہے۔ دوسرے متشابہات کی تفسیر کی جائے حالانکہ ان کی مراد سوائے خداوند تعالےٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ تیسرے یہ کہ مذہب فاسد کی دلیل و تائید کیلئے تفسیر کی جائے۔ چوتھے یہ کہ مفسر کہے خُدا کی مراد یہ ہے حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ پانچویں یہ کہ تفسیر اتباع نبوی کی آئینہ دار ہو"

تفسیر بالرائے کے سلسلہ میں ایک پُر مغز تحقیق!

امام العصر رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بالرائے کے سلسلہ میں "خازن" کی تحقیق کو نہایت ہی صواب اور معتدل سمجھتے تھے اس لئے ہم اس موقع پر خازن کی تحقیق کو مختصراً نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ:۔

"احادیث میں جس تفسیر بالرائے سے شدت کے ساتھ روکا گیا، وہ تفسیر ہے جو مفسر اپنی منشاء کے مطابق اور ہوی کے تحت کرے۔ ایسی تفسیر یا تو جان بوجھ کر کریگا، یا پھر غیر دانستہ طور پر۔ بس اگر ایک شخص جانتا ہے

کہ قرآن کی مراد اس کے خلاف ہے لیکن پھر بھی اپنی بدعات و ناجائز امر پر قرآن سے استدلال کرتا ہے جیسا کہ فرقہ باطنیہ اور خوارج دیدہ و دانستہ تاویلات کیا کرتے ہیں۔ تو یہ سخت مکروہ اور شرعاً ممنوع ہے۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایک آیت متعدد معانی اور وجوہ کی محتمل ہے لیکن مفسر ان تمام احتمالات کو چھوڑ کر ایک ایسے معنی بیان کرتا ہے جس معنی کا آیت میں احتمال نہیں تھا تو یہ بھی تفسیر بالرائے ہے اور شرعاً اس قسم کی بھی ممانعت مفہوم ہوتی ہے۔ رہی تاویل جس میں آیت کے وہ معنی لئے جاتی ہیں جو اس کے مناسب ہوں، اور ماقبل و مابعد ان معنی کا سازگار ہو، تو علماء نے اسکی اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کی تفسیر کی اور متعدد معنی بیان کئے۔ حالانکہ بداہۃً سمجھ میں آتا ہے کہ وہ تمام معانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے نہیں ہو سکتے بلکہ انہوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق معانی بیان کئے ہیں اور خود آنحضور نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے اسکی دعاء بھی فرمائی جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آپ نے بایں الفاظ دعاء کی:۔

"اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل"

بہرحال خازن رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کے نتیجہ میں تفسیر بالرائے کی دو صورتیں نکلتی ہیں جن دونوں سے احادیث میں منع کیا گیا ہے، اسی لئے سلف صالحین مثلاً سعید ابن مسیب اور عامر شعبی وغیرہ قرآن مجید کی تفسیر میں شدید احتیاط کرتے تھے اور باوجود تبحر و وسعت معلومات کے، قرآن کی تفسیر سے گریز کرتے چہ جائیکہ بغیر علم صحیح کے ہر شخص قرآن کی تفسیر کا حق اپنے لئے محفوظ کرنے لگے، صرف لغت کی مدد پر قرآن کو حل کرنے والوں کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد میں بڑا ہی درس عبرت ہے کہ:۔

"ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی القرآن مالا علم بہ"

صوفیاء کی تفسیر قرآن اور باطنیہ ملاحدہ کی تاویلات!

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باطنیہ ملاحدہ کے الحاد پرور خیالات پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈال دی جائے تاکہ ان کی ہفوات پر ایمان لانے کی وجہ سے مسلمان اسلام و ایمان سے خارج نہ ہوں۔ نسفی نے لکھا ہے کہ:۔

"آیات کو ظاہر سے ہٹا کر ان معانی پر منطبق کرنا جو اہل باطن بیان کرتے ہیں الحاد ہے"

تفتازانی نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"ان باطنیہ کو باطنیہ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے یہ لوگ مدعی ہیں کہ قرآن کے وہ معنی نہیں جو بیان کئے جاتے ہیں بلکہ ان کے معنی دوسرے ہیں جن کو صرف باطنیہ ہی سمجھتے ہیں۔ ان کا اس ادعاء سے مقصود سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ شریعت سے بدظنی اور بے اعتمادی پیدا ہو، اور اس طرح تمام ہی شریعت ناقابل اعتماد ہو کر رہ جائے لیکن بعض محققین صوفیاء کا یہ کہنا کہ قرآن کے ظاہری معنی کے علاوہ دوسرے معنی بھی ہیں جن کی جانب لطیف اشارات کئے گئے اور جو صوفیاء پر منکشف ہوتے ہیں اور ان میں اور ظاہری معنی مراد میں تطبیق ممکن ہے، تو یہ کمال ایمان ہے و عرفان محض ہے اور ہرگز مذموم نہیں"

شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ نے اپنی تصنیف "لطائف المنن" میں لکھا ہے کہ:۔

"صوفیا کی تفسیر قرآن کے ظاہر کو بدلنا اور مسخ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ قرآن کے ظاہری معانی کا اقرار کرتے ہوئے اور ان معانی کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے ایک معنی دوسرے بھی ہیں جو خداوند تعالیٰ اپنی توفیق خیر رفیق سے بعض برگزیدہ افراد کے قلب پر منکشف فرماتا ہے لہذا اس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ "لکل آیۃ ظہر و بطن"۔ بنا بریں صوفیاء کے ان بیان کردہ معانی کو قبول نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں بشرطیکہ وہ ظاہر معانی مراد کا انکار نہ کرتے ہوں۔"

صاحب "لطائف المنن" کی اس تحقیق کی تائید بہت سی احادیث و آثار سے ہوتی ہے، خلاصہ یہ کہ صوفیا کی ایسی تفاسیر کا انکار جو وہ ظاہری معنی کو درست کہتے ہوئے کریں دھاندلی ہوگی۔ اور ان متصوفین کی تفسیر کو قبول کرنا، جو ظاہر کا انکار کرتے ہوئے غریب معانی بیان کریں الحاد وزندقہ ہوگا۔ فافہم

قابل مطالعہ تفاسیر!

اس موقع پر اگر قابل مطالعہ تفاسیر کی نشاندہی بھی کر دی جائے تو مناسب ہوگا، اس لئے کہ اکثر مطالعہ کرنے والے صحیح اور مستند تفاسیر کے مطالعہ سے محرومی ہی کے باعث ملحدین اور زائغین کی ہفوات میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔

ہمارے خیال میں الحاد پرور کتب کی رونق بازار اور مفید کتابوں کی کساد بازاری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مطالعہ کے ذوق رکھنے والے ارباب کی صحیح راہ نمائی نہیں ہوتی، اگر اس سلسلہ میں ان کی راہ نمائی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ زیغ والحاد، بے دینی، وزندقہ کے تاریک غاروں میں گر کر ہلاک ہوں، اس لئے اس سلسلہ میں ہم نے اپنے اساتذہ سے جو کچھ سنا ہے، طلباء کے لئے اس کا اظہار یقیناً مفید ہوگا۔ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ تفاسیر کے سلسلہ میں کوئی ایسی تفسیر متعین کرنا جو ہر حیثیت سے جامع ہو اور جو دوسری تفاسیر سے بے نیاز کردے یقیناً دشوار اور بہت ہی مشکل امر ہے۔ ہر تفسیر کی کوئی نہ کوئی خصوصیت و امتیاز ہے جس سے دوسری تفاسیر خالی ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک کتاب کا مطالعہ دوسری کتاب کے مطالعہ سے مستغنی کرنے کے لئے قطعاً کافی نہیں۔ اس کے علاوہ بعض ایسے اساطین علوم و کمالات گذرے ہیں جنہوں نے مستقل کوئی تفسیر نہیں لکھی لیکن ان کی تصانیف قرآنی تفسیر سے خالی نہیں بلکہ ان کی تالیفات میں تفسیر سے متعلق ایسے جواہر و لآلی ملتے ہیں جن سے ہزارہا تفسیری کتب بلاشبہ تہیدست ہیں، مثلاً حجۃ الاسلام امام غزالی رح المتوفی ۵۰۵ھ، حافظ ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ یہ دو شخصیتیں ایسی ہیں کہ ان کی کوئی تصنیف ایسی نہیں جس میں قرآنی مضامین پر کثرت سے نایاب موتی اور گراں مایہ جواہر نہ ملتے ہوں۔

ابن قیم کے استاذ البحر الزاخر الشیخ الحافظ ابن تیمیہ رح الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ اور شیخ ابوالقاسم السید الشریف المرتضیٰ صاحب الامالی المتوفی ۴۳۶ھ، نیز محقق الوزیر الیمانی صاحب "ایثار الحق علی الخلق"، شیخ بہاؤ الدین السبکی، امیر یحیی ابن حمزۃ الیمنی۔ یہ سب اساطین علوم اپنی تصانیف میں ضمناً آیات کی تفسیر میں ایسے مہمات ذکر کرتے ہیں جن سے تفاسیر کا ذخیرہ بلاشبہ خالی ہے، لہذا ان تمام ہی اخیار امت کی تصانیف کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ دور میں جب کہ دو چار کتابوں کا مطالعہ بھی بڑا شاق ہوتا ہے تو سینکڑوں

کتابوں کی ورق گردانی کہاں ممکن ہے۔ یہ تو پچھلے لوگوں کی بے چین روحِ علمی تھی جو ہزارہا صفحات کی سیر کرنے کے بعد بھی مضطرب و بے قرار رہتے۔ اِس لئے ذیل میں ذکر ہونے والی کتابوں کا مُطالعہ بھی اگر کر لیا جائے تو انشاء اللہ کافی اور بار آور ثابت ہوگا۔

سب سے پہلے "تفسیر ابن کثیر" کا مُطالعہ کیا جائے یہ حافظ عماد الدین ابن کثیر الشافعی الدمشقی تلمیذ حافظ ابن تیمیہؒ کی تصنیف ہے اور ابن جریر وغیرہ کا درایۃً و روایۃً انتخاب ہے، محدثین کی تفاسیر میں اِس شان و مقام کی تفسیر کوئی نہیں۔ امام العصر فرماتے تھے کہ:۔

"اگر ایک کتاب دوسری کتاب سے بے نیاز کرتی تو یقیناً ابنِ کثیر، ابن جریر سے مستغنی کرنے والی تالیف ثابت ہوتی۔"

مفاتیح الغیب المعروف بالتفسیر الکبیر للامام الکبیر المحقق فخر الدین ابن الخطیب الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ، یہ دوسری تفسیر ہے، جس کے متعلق امام العصرؒ اکثر فرماتے تھے کہ:۔

"قرآن کے مشکلات میں سے کوئی ایسی مشکل حقیقت نہیں جس پر امام نے متنبہ نہ کیا ہو، امام مشکلات قرآنی میں غواصی کرتے ہیں اگرچہ بعض اوقات شفا بخش حقیقت سامنے نہیں لا سکتے۔"

اور تفسیر کبیر کے متعلق یہ جو مشہور ہے کہ "فیہ کل شیئ الا التفسیر"، اِس پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ ان کا مقولہ ہے جن پر سرد روایات کا غلبہ ہے اور بقیہ لطائف قرآنی سے صرف نظر کرتے ہیں اور اس کے علوم کو ترک کرتے ہیں۔"

مزاحاً تفسیر کبیر کا نام:۔

"مفسرین کا ہائی کورٹ بھی رکھا تھا۔"

رُوح المعانی!

مفتی بغداد السید محمود آلوسی تیرھویں صدی کی ایک محیر العقول شخصیت اور نابغہ علوم کی تصنیف ہے۔ ہمارے نزدیک اس تفسیر کا تفاسیر میں وہی مقام ہے جو بخاری کی شروحات میں فتح الباری للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ کا مقام ہے۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ فتح الباری میں ایک انسان کے مجموعہ کلام کی تشریح کرنا تھی سو وہ حق ادا ہوگیا، اور "رُوح المعانی" میں خالق عز و جل کے کلام کی تفسیر ہے، اس کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ تاہم تفاسیر میں اتنی تحقیقی، جامع اور سیر حاصل تفسیر موجود نہیں، اس کا دلنشین انداز بیان، اچھوتا اسلوب، تحقیقی انداز بحث، جملہ علوم و فنون پر محیط و حاوی کلام وہ خصوصیت و امتیاز ہے جس میں کوئی تفسیر اس کی نظیر نہیں کہی جا سکتی۔

اِرشاد العقل السلیم!

یہ تفسیر الشیخ ابی السعود الحنفی مفتی سلطنۃ العثمانیہ خطیب المفسرین قاضی القضاۃ محمد ابن محمد العمادی المتوفی ۹۵۱ھ کی ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں نظم قرآنی کے مقاصد کو حل کرنے کے لئے بڑی اچھی کوشش کی ہے، تعبیرات دلنشین اور انداز شگفتہ ہے۔ امام زمخشری کی کشاف سے اکثر خصوصیات میں بے نیاز کرنے والی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔

غرضیکہ یہ چار تفاسیر، دو شافعی المسلک مصنف اور بقیہ حنفی المذہب علماء کی لکھی ہوئی ہیں، ایک طالب علم ان کے مطالعہ سے تفسیر ایسے اہم اور وسیع موضوع پر اچھی خاصی بصیرت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر علوم جدیدہ پر مُطالعہ کی ضرورت ہو، تو جواہر القرآن شیخ طنطاوی کی مفید ہے، لیکن امام العصر فرماتے تھے کہ:۔

"طنطاوی کی حدیث پر تنقید ناقابل اعتبار ہے۔"

بسا اوقات حدیث کو مجروح قرار دیتا ہے، اور اس جرح وتعدیل میں محدثین کی شرائط کی قطعاً پروا نہیں کرتا۔"

مقاصد قرآن کو عصر حاضر کے دل چسپ اور شگفتہ انداز میں پیش کرنے کی ایک بڑی کوشش علامہ رشید رضا نے تفسیر "المنار" میں کی ہے لیکن طنطاوی کی طرح اس کے بھی بعض مضامین "مسلکِ حق" کے منافی ہیں تاہم مخدوش مقامات کے علاوہ "المنار" کا مطالعہ اہلِ علم کے لئے مفید ہوگا۔

شیخ محقق نیشاپوری نے امام رازی کی تفسیر کبیر کا بڑا کارآمد انتخاب اور خلاصہ کیا ہے اور نہ صرف تلخیص ہی بلکہ بعض مفید اور بار آور مباحث کا اضافہ بھی ہے۔ قرآنی مقاصد کو بہت ہی مختصر انداز میں قلیل الفرصت ارباب کے سمجھنے کے لئے یہ کتاب یقیناً کافی ہوگی۔ اس ذیل میں "تفسیر جواہر الحسان" للشیخ العارف عبد الرحمٰن الثعالبی الجزائری کا بھی ذکر ضروری ہے۔ شیخ موصوف نے "ابن عطیۃ" کی تفسیر کی تلخیص کی ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ تلخیص کے ساتھ ان کے اضافے ہزارہا تحقیقات پر بھاری ہیں۔ مقاصد قرآن کو جس شگفتہ اور محققانہ انداز میں انہوں نے پیش کیا ہے، تفاسیر میں اس کی مثال بہت کم مل سکے گی۔

اُردو میں مطالعہ کے لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ پر محقق العصر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم کے حواشی عجیب وغریب ہیں۔ بلا شائبہ تکلف کہا جا سکتا ہے کہ علوم قرآنی کو اُردو میں سمیٹ لینے کا اتنا خوبصورت اور مکمل سلیقہ شاید ہی اُمت میں کسی کو میسر آیا ہو۔ بلکہ بعض مباحث پر تو مولانا مرحوم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا عشر عشیر بھی مجلدات میں نہیں مل سکتا مختصر یہ کہ اگر طویل وضخیم مجلدات سے صرف نظر نہیں کی جا سکتی، تو علوم قرآنی کے مطالعہ کے ذیل میں ان حواشی سے اعراض بھی بڑی محرومی کا باعث ہوگا۔

(باقی دارد)

ترجمہ مشکلات القرآن

(مولٰنا سیّد محمد انظر شاہ کشمیری)

علمائے ہند کی تفسیری خدمات!

ہندوستانی علماء بھی قرآنی خدمات کو باحسن الوجوہ انجام دینے میں علماءِ ہند عالمِ اسلام سے ہرگز پیچھے نہیں ہیں، بلکہ بعض حیثیات سے ہندوستانی علماء کی اِس سلسلہ میں کوششیں بڑی اہم اور اُن کے مآثر علوم بڑے گراں قیمت ہیں، الہند کے جن ممتاز علماء نے سب سے پہلے فارسی زبان میں قرآنی علوم کو منتقل کرنے کی جدوجہد کی ہماری تحقیق کے مطابق اُن سب میں مقدم علامہ شمس الدین صاحب دولت آبادی ثم الدہلوی نے جو کہ آٹھویں صدی ہجری کے عالم اور شیخ قاضی عبد المقتدر الشریحی الکندی کے تلامذ میں سے تھے "بحرِ مواج" کے نام سے قرآن کی تفسیر لکھی اس کے بعد شیخ علی ابن احمد المہائمی المتوفی ۸۳۵ھ نے (مہائم ساحل بمبئی کے قریب ایک بلدہ کا نام ہے -) "تبصیر الرحمٰن" کے نام سے چار جلدوں میں قرآن کی تفسیر عربی میں تصنیف کی، یہ تصنیف "مصر" میں شائع ہوئی ہے - مُصنّف نے اِس تفسیر میں "ربط بین الآیات" کے سلسلہ میں قابل قدر سعی و کاوش کی ہے اور بعض مباحث کو عالمانہ و محققانہ انداز میں حل کیا ہے - شیخ محدّث قاضی پانی پتیؒ جو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذ میں سے ہیں، ان کی "تفسیر مظہری" تو بے حد مشہور ہے خصوصاً فقہی مباحث، جامعیت و تحقیق اور مدلل مباحث اِس تفصیل کے ساتھ کسی اور تفسیر میں خال خال ہی نظر آئیں گے (ندوۃ المصنفین دہلی سے مکمل تفسیر مظہری شائع ہو چکی ہے) (مترجم)

نویں صدی ہجری میں اکبری دربار کے مشہور اور با اقتدار رکن ابو الفیض فیضی فیاضی نے "سواطع الالہام" کے نام سے تفسیر بے نقط لکھی مصنّف نے التزام کیا کہ تمام تفسیر میں غیر منقوط الفاظ استعمال کرے اور اپنے اس التزام کو نبھایا بھی ہے اگرچہ مصنّف اِس جدوجہد میں اہمال اور لغویت کا شکار بھی ہوا تاہم ایک خاص اور دشوار فن میں جو خونِ جگر اس کو پینا پڑا وہ لائقِ تحسین ہے - نواب صدیق حسن خاں نے کئی جلدوں میں فتح القدیر للشوکانی، اور بعض عربی تفاسیر کی تلخیص کی ہے، نواب مرحوم کی تفسیر فتح البیان کے نام سے مشہور ہے غالبًا ہندوستانی علماء نے قرآنِ کریم کی مبسوط تفاسیر میں اسی قدر حصّہ لیا ہے رہے تراجم، تو سب سے پہلا فارسی ترجمہ العارف المحقق، الشاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۱۷۶ھ کا ہے - شاہ صاحب الہند کے علماء میں جس ممتاز مقام کے مالک ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، متعدد تصانیف آپ کی یادگار اُمت کے ہاتھوں میں موجود ہیں اور علومِ حدیث کی اشاعت و ترویج کے سلسلہ میں آپ کی خدمات شہرۂ آفاق ہیں، شاہ صاحب مرحوم نے اس فارسی ترجمہ میں بڑے لطائف اور اسرار کو سمو دیا ہے اور ایسے فوائد

کا اضافہ فرمایا ہے کہ ہر شخص تو آسانی سے اُن کو سمجھ بھی نہیں سکتا، اسرائیلیات سے ان کا ترجمہ پاک ہے، اور حشو وزوائد سے بھی محفوظ رہنے کی خاص کوشش کی ہے،

یہ ترجمہ اس حیثیت سے اور بھی گراں بہا اور تاریخی ہے کہ علماءِ ازہر جس زمانہ میں یہی بحث کر رہے تھے کہ غیر عربی میں قرآنی علوم کو منتقل کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ شاہ صاحبؒ اُس وقت فارسی میں ترجمہ کر کے علوم قرآن کو تمام زبانوں میں قرآنی مضامین کو منتقل کرنے کے موسس ہیں، اِس ترجمہ کا نام "فتح الرحمٰن" ہے اور اہلِ علم کے لئے بڑا مفید ذخیرہ ہے۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے اُردو ترجمہ کیا۔ جس کی مقبولیت اور شہرت اِس درجہ ہے کہ آج علمائے اُمت کا مدار اسی ترجمہ پر ہے۔ یہ ترجمہ پورا کا پورا الہامی ہے اور مغز قرآن کو شگفتہ اور سلیس انداز میں اِس خوبصورتی ونزاکت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ترجمہ "سہل ممتنع" نظر آتا ہے، شاہ صاحب ہی نے اپنے قلم سے فوائد بھی تحریر فرمائے ہیں جن سے قرآن کو سمجھنے اور خصوصاً مترجم مرحوم کی خصوصیات فی الترجمہ کو معلوم کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے، اگر کسی انسان کا کلام معجزہ ہو سکتا تو یہی ترجمہ فی الواقع ایک معجزہ ہوتا، علماءِ امت نے عموماً اور ہمارے امام العصر مرحوم نے اس کی دلآویز خصوصیات پر وقتاً فوقتاً جو کچھ فرمایا ہے اُسکو بیان کرنے کے لئے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے بھی اُردو میں ترجمہ کیا ہے اور محاورہ کی رعایت سے مضامین، بلیغ لب و لہجہ میں ادا کئے ہیں عوام کے لئے یہ ترجمہ بہ نسبت شاہ عبد القادر صاحبؒ کے ترجمہ کے زیادہ مُفید ہے۔

بحرِ ذاخر، الحجت، الشاہ عبد العزیزؒ نے بھی "فتح العزیز" کے نام سے بعض قرآنی اجزاء کی تفسیر فرمائی ہے، اور علوم وتحقیقات میں وہ ندرت اختیار کی کہ عقلِ انسانی ان کی جامعیت وتابعیت پر دنگ رہجاتی ہے، درانحالیکہ شاہ صاحبؒ نے اس تصنیف کے دوران میں تفاسیر کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ بغیر مراجعت کتب کے اپنی تحقیقات کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے، شیخنا امام العصر فرماتے تھے کہ:۔

"اگر اسی انداز میں یہ تفسیر مکمل ہوجاتی تو علمائے اسلام کی گردنوں پر سے طاقتِ بشری کے مطابق، قرآنی علوم کو بیان کرنے اور اسکی اشاعت کا فریضہ ادا ہوجاتا۔"

پھر تقریباً ۹۰ یا ۱۰۰ سال کے طویل عرصہ کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے بارہ جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی۔ حضرت موصوف نے اس تفسیر کی تیاری میں تفاسیر کی مہمات اور امہات کتب کا مطالعہ فرما کر مضامین کی تلخیص کی ہے، تعلیم یافتہ اذہان میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کے ازالہ کے ساتھ بعض مقامات پر صاف اور شستہ تحقیقات کا بھی اضافہ فرمایا ہے اُردو داں طبقہ اور طلباء وفضلاء کی جماعت اس کے مطالعہ سے کافی روشنی پا سکتی ہے۔

اس کے بعد مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے بھی قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور فوائد بھی لکھے جو کہ اپنی جگہ پر نافع اور مفید ہیں۔ مولانا شیخ الہندؒ کا ترجمہ اور اس پر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے معرکۃ الآراء حواشی کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ یہ تفاسیر و تراجم کے وہ مجموعے ہیں جو اہلِ حق کے مسلک کے مطابق اوران کے مکتبِ خیال کے ہمنوا ہیں، اِس کے علاوہ نظیر احمد دہلوی، میرزا حیرت، محمد علی قادیانی

تراجم، مخدوش اور بڑے مشتبہ ہیں، اہلسنت و الجماعت کے بنیادی عقائد سے انحراف اور اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کا صحیح الزام ان پر ہے اور رہے گا۔

بعض مفسرین مثلاً سرسید احمد خاں، اور حکیم احمد حسن امروہوی نے صریحاً قرآنی مضامین میں تحریف سے کام لیا ہے، قرآنی مراد و منشاء کو اپنے محمل سے ہٹانے کی کوششیں ان کی طرف سے بے حد افسوسناک ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس موقع پر بعض غلط تفسیروں کے متعلق بھی مختصر سی نشاندہی کر دیں تاکہ مطالعہ کرنے والوں کو، کھرے کھوٹے، صحیح و غلط، حق و باطل میں امتیاز کا موقع مل سکے۔

سیّد احمد خاں اور اُن کی تفسیر!

سرسید احمد خاں مرحوم عقل پرستی کے تلاطم خیز سمندر کی آسمان تک پہونچنے والی موجوں کے سامنے اس درجہ بے بس اور کمزور نظر آتے ہیں کہ یورپ سے اسلام کا بادِ ہوا تھپیڑا بھی اُن کو چراغ پا کرنے کے لئے کافی ہے، وہ یورپ کی جدید ترقی اور عقل پرستی سے اس درجے مرعوب ہیں کہ انکے اعتراضات کو فوراً قبول کرتے ہوئے اسلام کی بے غبار حقائق میں تاویلات شروع کر دیتے ہیں، اور اپنی اسی ذہنی شکست و مرعوبیت کے نتیجہ میں اسلام کو یورپ کے شرک سے قریب تر لانے میں غیر شعوری طور پران کا دل و دماغ کام کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی جسارت کے ساتھ (ملائکہ) کے وجود کا انکار کیا اور کہا کہ انسان ہی کی ملکی قوتوں اور خیر کی صلاحیتوں کا نام شریعت میں "ملک" ہے، اسی طرح شیطان کے وجود کو بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ فطرتِ انسانی کی کمزوریوں اور اس کی شر آمیز جد وجہد کی تعبیر قرآن "شیطان" سے کرتا ہے۔

اس طرح سید صاحب مرحوم نے ملائک و شیطان کے مستقل وجود سے انکار کرتے ہوئے قرآن میں ایسی کھلی ہوئی تحریف کی ہے جسے قرآن و حدیث کی تصریحات نص انکار کرتی ہیں بلکہ ایسے واہی خیالات کے حاملوں کو جو کچھ کہتے ہیں، ہماری زبان و قلم بھی اسکو لکھنے اور ظاہر کرنے پر آمادہ نہیں۔ مرحوم نے حشر و معاد جسمانی کا بھی انکار کیا ہے۔ اور معاد میں وہ صرف رُوحانی کے قائل ہیں۔ فلاسفہ کی طرح آسمانوں کے وجود، رُوح، نبوت کی حقائق پر انہوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے بہت دُور ہٹ کر گفتگو کی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ نبوت کو وہبی نہیں بلکہ کسبی کہتے ہیں۔ نبوت کی صفات میں تاویلات کرتے ہوئے، نبی اور مصلح کے باہمی فرق کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ انبیاء کے خوارق کے منکر ہیں اور تمام ہی ضروریات دین میں رکیک تاویلات کے قائل ہیں، ان کے نظریات و خیالات کو سمجھنے کے لئے "میرٹھ" میں ان کی ایک تقریر کا اقتباس معاون ہوگا" مرحوم نے مُسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

" اسلام نے دُنیا کے معاملات کو "وانتم اعلم بامور دنیاکم" کہکر ہمارے سپرد کر دیا ہے، اب ہم جس طرح چاہیں کریں اور دین کے دائرہ میں "من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ الخ" کی تصریح کر کے بڑی وسعت کر دی"۔

بہر حال ان کی تفسیر تاویلات و تحریفات سے پُر ہے، قدم قدم پر ان کی ذہنی مرعوبیت اور یورپ کی عقل پرستی کی اندھا دھند تقلید ان کے مضامین میں نمایاں ہے غالباً مولانا عبدالحق دہلویؒ کی تفسیر "حقانی" سرسید احمد مرحوم ہی کے جواب میں لکھی گئی، اس لئے کہ "حقانی" میں رکیک تاویلات [illegible] شافی جوابات موجود ہیں

مولانا عبدالحق صاحبؒ نے ایک طویل اور مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جس کا انگریزی ترجمہ بھی ہوا یہ اپنی افادیت میں ہزارہا مجلدات پر فائق ہے۔

بہر حال نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام میں تاویلات کا یہ دروازہ دیدہ و دانستہ کھولا گیا یا ذہنی و دماغی شکست اس کا پس منظر ہے، خداوند تعالےٰ اُن کو غریق رحمت کرے اور اُن کی زلات بارگاہِ کریمی میں "عفو" کے تابناک پردوں میں مستور ہو جائیں۔

مولانا آزاد کا ترجمان[۵] القرآن!

حضرت مولانا آزاد اپنی ہمہ گیر شخصیت، فضل و کمال غیر معمولی ذکاوت و ذہانت، تدبر و فراست اور سیاسی خدمات کی بنا پر یقیناً لائق احترام اور لائق صد اکرام ہیں۔ لیکن متعدد مواقع پر تعلیمات اسلامی میں کھلی ہوئی جدت آرائیوں کا ان کی جانب سے جو مظاہرہ ہوتا رہا اس سے علمی و دینی حلقوں کو ان سے شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ "تذکرہ" کے بعض مباحث جو سیدنا امام اعظمؒ سے متعلق ہیں اور اسی طرح دوسرے ان کے اجتہادات جس کے اظہار میں ان کا قلم بہت زیادہ رواں دواں رہا ہے اِس قابل نہیں کہ ان سے تسامح کیا جائے بلاشبہ یہ ایک طرح کی مداہنت ہوگی کہ ہم اُن کی تفسیر کے متعلق اپنی کسی رائے کا اظہار نہ کریں، صرف ان کے غیر معمولی اثرات و رسوخ سے متاثر ہو کر۔

مولانا آزاد کے صاف و شگفتہ قلم نے تفسیر سورۂ فاتحہ میں غیر معمولی جولانی کا مظاہرہ کیا ہے، انہوں نے "اھدنا الصراط المستقیم" کی تشریح کرتے ہوئے یہ غلط دعویٰ کیا ہے کہ تمام ادیانِ عالم خواہ نصرانیت ہو یا یہودیت، صابئیت یا اور کوئی دین، برحق اور سچے ہیں، اگر کوئی شخص اس دین کو جس کو خدا کا کوئی پیامبر لے کر آیا ہے اپنا لے اور اس کے کلیات و جزئیات پر عمل کرے تو نجات کے لئے کافی ہوگا، کیوں کہ تمام ادیان کی بنیاد ایمان باللہ، عمل صالح ہے۔ شرک اور بداعمالی تحزب و تشیع کی مذموم پیداوار ہیں۔ مولانا نے اپنے اِس خیال کو اپنی تفسیر میں بے حد پھیلایا ہے بلکہ ان کی تمام تفسیر اسی بنیاد پر قائم ہے ان کو اصرار ہے کہ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور اسی کو قرآن کا "مغز" کہنا چاہیے۔ ان تحقیقات پر قرآن کی اس آیت سے سہارا پکڑا گیا ہے "ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصارٰی والصائبین من امن باللہ والیوم الاٰخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون"۔

مولانا کے خیال میں عمل صالح، احکام تکلیفیہ و شرائع نہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ عبادات و شرائع، ظواہر و رسوم سے ہیں، صورت و جسم ہیں، روح و حقیقت نہیں "ان الدین عند اللہ الاسلام، ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین" کی سی غیر مبہم و واضح آیات کو اپنی راہ کا پہاڑ سمجھ کر انہوں نے اس طرح ہٹایا ہے کہ اسلام سے مراد "وحدت دینیہ عامہ" ہے کہ وہ کسی شریعت کی خصوصیت نہیں بلکہ سب ملتوں کا مشترک سرمایہ ہے عقائد کے باب میں اس زبردست

---

[۵] حضرت مولانا آزاد کی تفسیر اور اس کے بعض مواقع پر مولانا محمد یوسف صاحب نے جو تنقید کی ہے وہ بے حد مجمل ہے خود مولانا آزاد کے کلام کو بھی اجمال و اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ تفصیلی بحث سامنے آتی تو سب پڑھنے والوں کو کسی ایک رائے پر پہونچنے کا موقع ملتا، ہم سمجھتے ہیں کہ اس طرح فاضل ناقد نے اپنی تنقید کے وزن میں بڑی کمی پیدا کردی ہے۔ (ادارہ)

اور خطرناک لغزش کے بعد تاویلات وتحریفات کے تاریک وخوفناک گڑھے سامنے آسکتے ہیں، ان ظاہر ہے اہل سنت والجماعت کے عقائد سے دوری پیدا ہوگی اور اس انفرادیت کا انجام بھی اچھا نہیں نکلے گا۔ اللھم اعذنا

اس کے علاوہ مولٰنا نے کئی جگہ اجتہاد سے کام لیا۔ اور ایسی ایسی تحقیقات پیش کیں جن کو دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور غم وغصہ بھی۔ مثلاً انہوں نے "کونوا قردۃ خاسئین" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہوجاؤ بندروں کی طرح ذلیل وخوار، انسانیت کے رتبہ سے فروتر، انسانی مروت وسیرت سے بعید"۔ اور اسی طرح ص۲۶۱ پر "فقال لھم اللہ موتوا" کی تفسیر میں لکھا کہ "جبن وبزدلی کی وجہ سے تم پر موت طاری ہوگی یعنی دشمن تم پر غالب آئے گا اور فتح وظفر سے محروم ہوکر تم جیتے جی مرجاؤ گے"۔ ثم احیا ھم اللہ" پھر ان کی بزدلی ختم کی گئی اور جہاد کی بے پناہ صلاحیتیں دے کر، فتح وکامران کیا گیا کہ ان کا غلبہ واستیلا، ان کے لئے حیات نو کا مرادف ہے۔

اور ایسے ہی ص۲۶۵ پر "اوکالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ الخ کی تفسیر اور "فخذ اربعۃ من الطیر" کی تشریح انہوں نے بعینہ وہ کی جو ابو مسلم اصفہانی معتزلی نے کی ہے ص۳۰ "ورفعنا فوقکم الطور" کی تشریحات، کھلی ہوئی، تفسیر بالرائے ہے۔

ہم نے سرسری طور پر ایک جائزہ لیا ہے ورنہ مطالعہ کرنے والے "ترجمان القرآن" کو تاویلات واجتہادات کا ایک دفتر پائیں گے۔ مولٰنا ابراہیم سیالکوٹی نے ترجمان القرآن کی غلط اور نامناسب تحقیقات کے رد میں تفسیر لکھی جو ہمارے مطالعہ سے نہیں گذری، خیال یہی ہے کہ وہ اپنی شان میں مفید اور بار آور ہوگی۔

عنایت اللہ المشرقی کا تذکرہ!

مشرقی کی تفسیر، سرسید احمد خاں کی تفسیر سے مختلف نہیں بلکہ بنیادی واساسی اقدار میں ایک دوسرے سے بہت مشابہ اور ملتی جلتی ہیں۔ بعض مواقع پر تو سرسید احمد خاں کے خیالات کو الفاظ کے تھوڑے سے ایرپھیر کے ساتھ بعینہ نقل کیا گیا ہے تاہم دونوں تفسیروں کے اس قدر مشترک ہونے کے باوجود بعض خیالات و اپج ہیں۔ عنایت اللہ اپنے معنوی استاذ سے بہت ہی آگے گئے ہیں۔ مثلاً "صراط مستقیم" اور "اسلام" کی معنوی تشریح کے ذیل میں انہوں نے لکھا ہے کہ "اسلام درحقیقت خداوند تعالٰی کی دنیاوی نعمتوں کی ایک تعبیر ہے لہٰذا جس شخص نے ان نعمتوں سے کامل فائدہ اٹھایا وہی سچا اور راسخ مومن ہے، اور جو بدقسمت نفع نہ اٹھا سکا اسی کو کافر سمجھنا چاہیے۔ اور اہل جنت واہل جہنم کی تعیین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہود ونصاریٰ ہی اہل جنت کے مصداق ہیں، اور مسلمان جہنمی ودوزخ کے کندہ ہیں، اس ظالم رئیس الاشقیاء نے اپنی ان ہفوات پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" کہتا ہے کہ کیوں کہ ارضی حکومت پر متصرفانہ اختیارات آجکل نصاریٰ ہی کو حاصل ہیں اسلئے وہی عباد صالحین ہوسکتے ہیں اور مسلمان تو کیوں کہ وہ حکومت وسلطنت سے محروم ہیں اس لئے ان کے جہنمی ہونے میں شبہ نہیں۔ اس طرح مشرقی نے "صراط" "جنت" "جہنم" "حساب" و"کتاب" "حشر" و"نشر" سب کا انکار کردیا ہے۔ بلکہ صراحتاً جنت کے تصور وحور کا مذاق اڑایا ہے اور جہنم کے عذاب وشدائد کو اپنے استہزاء کا تختہ مشق کیا ہے، صراط الذین انعمت علیھم سے مراد نصاریٰ ہیں اور مغضوب وضالین کے مصداق،

مسلمان قرار دئے ہیں۔ اسلام کے پانچ اساسی ارکان کا انکار کرتے ہوئے دس بنیادی اصول اختراع کئے ہیں۔ سچ ہے کہ یہ شخص ہذیان کی گرفت میں اس قدر سخت وشدت کے ساتھ مبتلا ہے کہ اس کا طغیانِ عقل و ہوش و سکراتِ حواس و ادراک مضحکہ بنکر رہ گیا۔ غالباً اُمت نے جس اجتماعیت سے اسکے کُفر پر اتفاق کیا ہے اس قدر اتفاق دورِ حاضر کے کسی بھی ملحد کے خیالات و اپچ پر نہ ہوگا۔

بہر حال مفید و کارآمد تفاسیر کے مقابل یہ چند تفسیری کتب تھیں جن کا مطالعہ بڑا مخدوش مرحلہ ہے اکثر و بیشتر عبارت کی رنگینی، طرز بیان کی شوکت و شوخی، استدلال کا غلط اٹھان، اور بیان کی ساحرانہ کرشمہ کاریاں جو دورِ حاضر کے بعض مصنفین کا خاص حصّہ ہیں، بہت سے سادہ اور معمولی شد و بد رکھنے والے افراد کی گمراہی اعتقاد و گمراہی خیالات کا باعث بنتی ہیں۔ اِس لئے ضروری تھا کہ ایسے مسموم و زہر آلود ذخیروں پر بھی نشاندہی کی جائے، ورنہ ان تلخ حقائق کا ذکر واعادہ سا نقصان دہ اور بعض حیثیات سے مضر ہوتا ہے، اب ہم آنے والے صفحات میں قرآن کے متعلق امام العصر کی خاص تحقیقات، اور معرکۃ الآرا تدقیقات کا ذکر کریں گے، جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت الاستاذ نے قرآن کریم کا کس غیر معمولی شغف کے ساتھ مُطالعہ کیا تھا۔ اور خُداداد ذکاوت وذہانت کی وجہ سے، مُشکلاتِ قرآنی کو حل کرنے میں اُن کی گہرائی وگیرائی کا کیا عالم ہے ؛